NIBRAS
Islamic Research Journal
Department of Fiqh and Shariah
The Islamia University of Bahawalpur

Vol.2, Issue 01, January to June. 2024,
Page No. 01- 10

اتحادِ امت اور معاصر دینی مراکز کا باہمی ربط اور اثرات

Interrelationship and Effects of Unity of the Ummah and Contemporary Religious Centers

Safa Akbar, ReSearch Scholar, Government S.E. Graduate College, Bahawalpur.

ABSTRACT

In today's world, the unity of the Ummah (global Muslim community) is more crucial than ever. The Ummah faces numerous challenges, including political, social, and economic disparities, which threaten its cohesion and solidarity. Religious centers, as vital institutions, play a significant role in fostering unity and addressing these challenges. This research paper explores the contemporary requirements of the unity of the Ummah and examines the role of religious centers in promoting and sustaining this unity. Through a comprehensive review of literature and empirical analysis, this study identifies key factors that contribute to the unity of the Ummah, including shared beliefs, values, and goals. Additionally, it highlights the importance of religious centers in promoting Islamic values, resolving conflicts, and fostering a sense of belonging among Muslims. The study concludes with recommendations for strengthening the unity of the Ummah and enhancing the role of religious centers in promoting Muslim solidarity and cooperation.

Key Words: Unity, Ummah, Religious Centers, Muslim Solidarity, Islamic Values.

ARTICLE INFO
Article History:
Received:
26-04- 2024
Revised:
2-05- 2024
Accepted:
05-05- 2024
Online:
14-05- 2024

CC BY

ا۔ موضوع کا تعارف

عمومی طور پر اتحاد کا مفہوم عدمِ اختلاف سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ افرادِ معاشرہ کی عقل و دانش، مزاج و مذاق اور فکری و عملی وابستگی میں اختلاف ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس کے باوجود قرآن کا جابجا اتحاد کی تلقین کرنا اور اپنے پیروکاروں کو "امةواحدة"[1] سے تعبیر کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ اختلاف کے ہوتے ہوئے اتحاد کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔ سید جرجانی اتحاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"الاتحادامتزاج الشیئین واختلاطهماحتی یصیراشیئاواحدا"[2]

"اتحاد دو چیزوں کو اس طور پر ملانے کا نام ہے کہ وہ ایک ہو جائیں۔"

عبارت پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اتحاد دو چیزوں کو یکجا کرنے کا نام ہے نہ کہ دونوں کی حقیقت و ماہیت تبدیل کرنے کا۔ اس لیے اختلاف کی حقیقت تسلیم کرتے ہوئے باہم یکجا ہونے کا نام اتحاد ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اختلاف کے باوجود اتحاد کی کیا سبیل ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ہمارے ہاں عام طور پر دو رویے پائے جاتے ہیں۔ ایک کو عوامی اور دوسرے کو شرعی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ عوامی رویہ یہی ہے کہ کوئی بھی فرد یا گروہ اگر قرآن و سنت سے یکسر متصادم نظریات کا حامی ہو تب بھی اسے غلط نہ کہا جائے۔ اسی طرح مختلف الخیال افراد مل کر صحیح غلط کا ایسا آمیزہ تیار کر لیں جو فریقین کے لیے قابلِ قبول ہو تاکہ اتحاد قائم ہو سکے۔ اس مفہوم کی رو سے مختلف نظریات و عملیات سے وابستہ افراد پر لازم قرار پاتا ہے کہ وہ اپنے نظریات اپنی حد تک رکھیں اور کسی دوسرے کے سامنے ان کا اظہار نہ کریں۔ یہ رویہ اس سوچ پر مبنی ہے کہ ہمہ قسم کا اختلاف معاشرے کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ قیامِ اتحاد کی قرآنی دعوت اس بات کو متضمن ہے کہ اختلافی امور کسی بھی اجتماعی پلیٹ فارم پر زیرِ بحث نہ لائے جائیں۔

اس سوچ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس تاثر پر مبنی اتحاد کسی ایک مجلس یا خاص لمحات تک تو ممکن ہے تاہم معاشرے میں دیرپا اتحاد یا اخوت و مودت کی فضا پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ اپنے مخالفین کے ساتھ اتحاد کے داعی اپنے ہم نواؤں کے سامنے ان کے نظریات کا رد اور اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں ایک منافقانہ روش معاشرے میں فروغ پاتی ہے۔ اس کے برعکس اتحاد کے سلسلے میں شرعی رویہ اپنا کر مطلوبہ نتائج و ثمرات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کا بغور مطالعہ اتحاد کا جو مفہوم سامنے لاتا ہے وہ یہ کہ اہلِ اسلام کے دل آپس میں جڑے ہوئے اور ان کا باہمی تعلق الفت و یگانگت سے سرشار ہو۔ اس بابت پیش کی جانے والی سب سے اہم آیت یہی سبق دیتی ہے

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا"[3]

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو اور اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے تو اس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے۔"

آیت کا دوسرا حصہ یہ واضح کرتا ہے کہ عداوتی روش ختم کر کے افراد کے دلوں کو اخوت و مودت کے رشتے سے جوڑ دینا باری تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے جسے ہر وقت یاد رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جبکہ آیت کا ابتدائی حصہ واضح کرتا ہے کہ اللہ کی رسی کو تھام کر (جس کے مفہوم میں قرآن و سنت شامل ہیں) اور جماعت سے منسلک رہ کر اتحاد کی روح پیدا اور پھر اسے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔[4] معلوم ہوا کہ مقاصد کے حصول کی جانب قرآن و سنت سے متصادم ہمہ قسم کے نظریات کی نفی پہلا قدم ہے جس کے بعد اپنی فکری و عملی زندگی دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنانا لازم ہے۔

Vol.2, Issue 01, January to June. 2024,
Page No. 01- 10

2. نصوصِ شرعیہ کے تناظر میں اتحادِ امت کی ضرورت واہمیت

افراد کا باہمی رویہ معاشرے کا عکاس ہوتا ہے جس کی صلاح وفلاح افراد کی صلاح وفلاح پر منحصر ہوتی ہے۔ انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوگا کہ معاشرتی زندگی کے تصور اور اس کی خوبصورتی سے ہی انسانیت کو ترقی اور معراج حاصل ہوئی ہے۔ معاشرت، ریاست اور حکومت کی قید سے آزادی کا تصور انسانیت کے لیے کبھی بھی قابلِ تقلید نہیں رہا۔ جب معاشرے کا قیام ضروری ہے تو افراد کے مابین اتحاد واتفاق بھی لازم ہے تاکہ معاشرتی استحکام حاصل ہو اور فلاح کا سفر جاری رہے۔ اس ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر اسلام قیامِ اتحاد کے سلسلے میں واضح ہدایات امت کو فراہم کرتا ہے۔ بعض تعلیمات اتحاد کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں تو بعض اس کی ضد افتراق وانتشار سے گریز کی تلقین کرتی ہیں۔ چند ایک مقامات ملاحظہ ہوں:

- "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا"[5]

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔"

- "وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ"[6]

"اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر تم دنیا میں جو سب کچھ ہے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ہی ان کے دلوں میں الفت پیدا کی۔"

آیت میں تالیفِ قلبی کو خالص اللہ کا انعام قرار دیا جا رہا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر وہ عمل جو مومنین کے مابین تالیفِ قلبی کا سبب بنے شرع کی نظر میں محمود اور باعثِ اجر ہوگا۔ یہی تالیفِ قلب مومنین کے اتحاد کا بنیادی مظہر ہے جس کی طرف آیت مبارکہ میں دعوت دی جارہی ہے۔

- "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ"[7]

"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو آپس میں بٹ گئے اور جب ان کے پاس واضح دلائل آچکے تو اس کے بعد اختلاف کرنے لگے۔"

آیت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ افتراق وانتشار کی دینِ اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واضح ہدایت کے بعد اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسا اختلاف نہ تو نیک نیتی پر مبنی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی موجودگی میں اتحاد کی راہ تلاش کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح متعدد روایات میں آپ ﷺ نے بھی امتِ مسلمہ کو اتحاد واتفاق کی ترغیب دی ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز کے لیے صف بندی کرتے ہوئے فرماتے تھے

- "لاتختلفوافتختلف قلوبكم"[8]

"آگے پیچھے نہ ہوناو گرنہ تمہارے دل بھی دور ہو جائیں گے۔"

یہاں بھی دلوں کی دوری کے اندیشہ کو بیان فرما کر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ امتِ مسلمہ کے قلوب منتشر نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ دلوں کی کدورت کے ساتھ اتحاد کی ہر کوشش بے سود رہتی ہے۔ اسی طرح دورانِ سفر پڑاؤ کی حالت میں بھی آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے منتشر ہونے اور الگ الگ بیٹھنے کو پسند نہ فرماتے اور اسے شیطانی عمل قرار دیتے۔[9] اس کے علاوہ مومنین کو جسدِ واحد قرار دینے اور دوسرے کے رنج والم پر رنجیدہ ہونے میں بھی یہ راز پنہاں ہے کہ اس امت کی معراج اتحاد واتفاق کی بدولت ہے۔[10]

3. اسلامی معاشرے کے دینی مراکز

انسانی زندگی میں دین ومذہب کی اہمیت کا انکار کسی صورت ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ کہ دینی مراکز ہر مذہبی معاشرے کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ ان مراکز میں سے سب سے اہم مسجد ہے جس کے خانہ خدا ہونے اور تقدیس وتکریم میں کوئی کلام نہیں۔ جہاں تک مدارس کا تعلق ہے تو اگر اس سے مراد ایک مستقل عمارت ہو جہاں اساتذہ وتلامذہ ایک خاص نظامِ تعلیم اور نصاب کے تحت درس وتدریس میں مصروفِ عمل ہوں تو اس مفہوم کے حامل کسی مدرسہ کا وجود اسلام کے ابتدائی ادوار میں نہیں ملتا۔ کچھ یہی معاملہ خانقاہ کا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد ہی تمام تر تدریسی وروحانی سرگرمیوں کا محور ومرکز ہوا کرتی تھی۔ بعد ازاں علمی حلقوں کی وسعت، افراد کی کثرت اور تدریس کے عمل میں شور وتکرار کی وجہ سے مدرسہ کی ایک الگ عمارت اور جگہ ضروری محسوس ہوئی کیونکہ مسجد میں ادا کی جانے والی عبادات کے لیے شور سے پاک پرسکون اور اطمینان کی فضا ضروری تھی۔[11] یہی ضرورت خانقاہ کے لیے ایک الگ جگہ اور مقام کی تعیین کا داعیہ بنی۔ تاہم مشاہدہ یہی ہے کہ مدارس، خانقاہ اور امام بارگاہ کے ساتھ عام طور پر مسجد ضرور ہوتی ہے جو ان مراکز کے مسجد کے ساتھ مضبوط تعلق کی نشانی ہے۔ نماز پنج گانہ وجمعہ کی ادائیگی کے لیے مساجد اور دینی تعلیم وتربیت کے لیے مدارس اہلِ سنت واہلِ تشیع کے مابین اتفاقی نقطہ ہے۔ جہاں تک امام بارگاہ کا تعلق ہے تو اگرچہ اس کا تعلق ایک الگ مکتبِ فکر کے ساتھ ہے تاہم خانقاہ وامام بارگاہ ایک جیسے مقاصد کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اہلِ تشیع کے ہاں خانقاہ کا وجود نہیں ملتا البتہ جس طرح اہلِ سنت تزکیہ نفوس اور اخلاقی وروحانی اقدار کی افزائش وآبیاری کے لیے خانقاہ سے تعلق استوار کرتے ہیں اسی طرح اہلِ تشیع امام بارگاہ کو ان مقاصد کے حصول کا منبع و مرکز تسلیم کرتے ہیں۔ دونوں مقامات پر ہر مکتبِ فکر کے مصلح وروحانی پیشوا اپنے مقتدیین کی اصلاح کا فریضہ اور انہیں اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان مراکز میں سے ہر ایک اسلامی معاشرے کے تشخص کو نمایاں اور اقامتِ دین کے مختلف حلقوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ تمام مراکز باہم مربوط اور اعلائے دین ان سب کی ترقی اور استحکام سے مشروط ہے۔ آئندہ سطور میں اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ اتحادِ امت کے تقاضے کون کون سے ہیں اور مندرجہ بالا دینی مراکز ان کی تکمیل میں کس حد تک اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

4. اتحادِ امت کے تقاضے

اتحادِ امت کے تقاضوں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- دینی وشرعی تقاضے۔
- عصری تقاضے۔

آئندہ سطور میں انہی دو عنوانات کے تحت اہم تقاضوں اور انہیں پورا کرنے کے لائحہ عمل پر بات کی جارہی ہے۔

4.1 اتحادِ امت کے دینی وشرعی تقاضے اور دینی مراکز کا کردار

قرآن کا امتِ محمدیہ ﷺ کو امتِ واحدۃ سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک عملاً یہ امت، امتِ واحدۃ نہیں بنتی حقیقی مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ تاریخ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ امتِ مسلمہ کے متحد ہونے پر جو مقام اسے حاصل تھا اس کا دوبارہ حصول اسی سے مشروط ہے۔ اس غلبہ کو حاصل کرنے کے لیے قیامِ اتحاد کا مقصد حاصل کر لینے کے بعد اس کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے وگرنہ یہ اتحاد برائے نام اور ناقص ہوگا۔ ذیل میں اتحاد کے دینی وشرعی تقاضوں کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

4.1.1 اسلامی تعلیمات کا فروغ اور احیاء

اسلامی تعلیمات کے احیاء میں درج ذیل امور شامل ہیں:

- نشر و اشاعت۔
- عمل۔
- شکوک و شبہات کا ازالہ۔

جس طرح علم پر عمل کے بغیر نجات کا حصول ممکن نہیں اسی طرح اغیار کی جانب سے اسلامی تعلیمات پر وارد ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیے بغیر معاشرے میں ان کا احیاء ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں مومنین کو اقتدار ملنے کی صورت میں اقامتِ دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بنیادی اور اوّلین فریضہ قرار دیا گیا ہے۔[12] یہ دو امور در حقیقت مکمل دین کا احاطہ کرتے ہیں۔ اقامتِ دین کا ایک پہلو دین کی حفاظت اور دوسرا اس کے عملی نفاذ سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہر اس قدم کی حوصلہ افزائی کی جائے گی جو انجام کار دین کے قیام کا سبب بنے۔ ان اقدامات میں دینِ اسلام کی نشر و اشاعت اور اس پر لگائے گئے اعتراضات کا ازالہ اہم ہے۔ اس کے نتیجے میں اعلائے کلمۃ اللہ اور نو مسلمین کے ایمان کا دفاع ہوتا ہے اس لیے یہ فریضہ قلمی یا لسانی جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔

دینی مراکز اس شرعی تقاضے کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اپنے قلم، خطاب اور عمل کے ذریعے دینی تعلیمات کے فروغ میں اپنا حصہ ڈالیں اور اپنے منبر اور سٹیج کو اپنوں کے خلاف استعمال کرنے کی بجائے کفار کی سازشوں کا پردہ چاک کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت میں استعمال کریں۔ کفارِ مکہ کی ہجو گوئی کے جواب میں نبی رحمت ﷺ کا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر بلانا اور ان کا مدح سرائی کے ذریعے جواب دینا نبوت کے وارثین کے لیے اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے۔[13] اسی طرح مدارس کے نصاب میں اختلافی مسائل پر زور لگانے کی بجائے کفار کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور اعتراضات کا ازالہ کیا جائے تا کہ دفاعِ دین کا فریضہ حاصل ہو سکے۔

4.1.2 عصری مسائل کی شرعی رہنمائی

انسان کی دنیاوی حیات ایک ارتقائی عمل ہے۔ یہ ارتقا ہر دور اور زمان و مکان کے حوالے سے مختلف مسائل کا سبب بنتا ہے۔ اسلام کی عالمگیریت اور جامعیت کا تقاضا ہے کہ اسے ہر دور میں قابلِ عمل بنا کر پیش کیا جائے۔ پیش آمدہ مسائل کے حل میں اجتہاد اس فریضے کی ادائیگی کا غماز ہے۔ تئیس سالہ دورِ نبوت میں احکام کے تدریجی نزول میں یہ حقیقت بھی کار فرما تھی کہ جیسے جیسے مسائل سامنے آئیں ان کا حل فراہم کیا جائے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور فقہاء کا بطور قاضی تقرر اس بات کی دلیل ہے کہ شرعی رہنمائی کا فریضہ کسی طور پر فراموش نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اسوہ کی تقلید میں مساجد اور مدارس میں دار الافتاء کا قیام اور وہاں مفتی حضرات کا تعین اہم ضرورت شمار ہوتی رہی ہے۔

4.1.3 تعلیم و تربیت کا انتظام

تعلیم و تربیت کی اہمیت و ضرورت محتاجِ بیان نہیں۔ تعلیم کے بغیر تربیت کے کوئی معنی نہیں اور نہ ہی بدوں تربیت تعلیم مثبت نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اس لیے مساجد اور دیگر مراکزِ دینیہ کے لیے تعلیم و تربیت کا ایک جامع نظام ترتیب دینا ایک اہم تقاضا ہے جسے پورا کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جا سکتے ہیں:

1. جمعہ کے خطبات مؤثر اور تعمیری ہوں۔ عقائد، عبادات، اخلاقیات، حقوق العباد اور ان کی عصری تشریحات کو بطور خاص بیان کیا جائے۔ اسی طرح اندازِ بیان عام فہم اور دلچسپ ہو تاکہ افادہ ممکن ہو سکے۔
2. کسی فرض نماز کے بعد مختصر درسِ قرآن یا حدیث دینے کا اہتمام کیا جائے۔ نماز کا تعین اہلِ علاقہ کی مصروفیت اور دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے۔
3. قرآن کی حفظ و ناظرہ تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور بہترین تربیت یافتہ مدرسین کی خدمات حاصل کی جائیں جو بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا فریضہ بھی انجام دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیمِ بالغاں کے لیے بھی کلاسز کا اجراء کیا جا سکتا ہے جہاں بنیادی تعلیم سے محروم عمر رسیدہ افراد کو بنیادی دینی مسائل کی تعلیم اور عملی مشق کرائی جائے۔
4. مختلف موضوعات پر وقتاً فوقتاً دروس کا اہتمام بھی تربیت کی اہم کاوش ہے۔ اس طرح معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل کے حل پر ماہرین اپنے خطاب کے ذریعے عوام کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔
5. بچوں کا دینی مراکز سے تعلق مضبوط بنانے کی خاطر مختلف مقابلہ جات منعقد کروائے جا سکتے ہیں۔ اس میں حفظِ قرآن و احادیث، تقاریر اور دینی سوال جواب کے مقابلہ جات اہم ہیں۔ اس طرح بچوں کا دینی مراکز سے تعلق مضبوط اور ذہنی اور فکری نشو و نما ممکن ہو سکے گی۔
6. تربیت کے ضمن میں اخلاقی اقدار پر عمل کی تربیت کو خصوصی توجہ دی جائے۔ غیبت، جھوٹ، دھوکہ دہی سمیت دیگر اخلاقی برائیوں کے نقصانات بیان کرنے اور اخلاقِ حسنہ پر عمل کی عادت ڈالی جائے۔
7. علماء و خطباء کی تربیت کے لیے حکومتی سرپرستی میں ادارے قائم کیے جائیں جہاں ہر مکتبِ فکر کو نمائندگی حاصل ہو۔ انہیں تعمیری اور مثبت رویہ اپنانے اور اپنا رسوخ درست سمت استعمال کرنے کی عملی ترغیب دی جائے۔

ان دینی و شرعی تقاضوں پر عمل اعلائے دین اور بقائے اتحاد کا موجب ہے۔ یہ رویے معاشرتی امن و سکون اور خیر خواہی کا ذریعہ بنتے ہیں جو اسلام کے تصورِ جمعیت کے اساسی پہلو اور عناصر ہیں۔

5. اتحادِ امت کے معاصر تقاضے

کائنات میں بقا اور استحکام کے لیے بدلتے وقت کے ساتھ اپنے اندر جدت پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔ قانونِ الٰہی بھی وقتی حالات کو مدِ نظر رکھنے کا درس دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات زمانے کی ضرورت کے پیشِ نظر عطا کیے گئے۔ یدِ بیضا اور عصائے کلیم کے ذریعے سحر و تخیل کا بطلان کیا گیا تو احیاءِ اموات اور لاعلاج امراض کے علاج اور شفایابی کی بدولت مشہور اطباء کو دعوتِ فکر دی گئی۔ اسی طرح عہدِ رسالت میں فصحاء و بلغاء کلامِ مقدس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے عاجز آئے۔ نیز عصری تقاضوں کی تکمیل کا اشارہ اس آیت مبارکہ سے بھی ملتا ہے

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ"[14]

"اور تم ان سے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت تیار رکھو۔"

آیت مبارکہ میں قوت کا عموم اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر دور کی مناسبت سے کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے قوت تیار رکھی جائے۔ یہ امور اسلام کی عالمگیریت اور ابدیت کو ثابت کرتے اور افرادِ امت کو یہ درس دیتے ہیں کہ عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ اتحادِ امت کے حوالے سے چند اہم عصری تقاضے درج ذیل ہیں:

5.1 جدید عصری علوم کی تعلیم

تعلیم کے میدان میں معاصر صورتحال کو ملحوظ رکھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ دور میں انگریزی زبان اور کمپیوٹر کی تعلیم کا انکار کسی صورت ممکن نہیں۔ غیر مسلموں تک اسلامی تعلیمات پہنچانے، مستشرقین کی جانب سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات رفع کرنے اور دیگر اقوام سے روابط قائم کرنے میں انگریزی زبان میں مہارت مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ترقی نے ناممکنات کو ممکن کر دکھایا ہے۔ ایسے علاقوں جہاں رسائی بوجوہ ممکن نہ ہو تک اپنی بات کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے توسط سے پہنچائی جا سکتی ہے۔ ان علوم وفنون میں مہارت کے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کا صحابہ کرام کو غیر عربی زبانیں سیکھنے کا حکم اسی تقاضے کے پیشِ نظر تھا، چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے چند ہی دنوں میں سریانی زبان سیکھی۔[15] اس تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے دینی مراکز جدید علوم کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ مدارس میں انگریزی بطور زبان اور کمپیوٹر انٹرنیٹ کی تعلیم کا معیاری انتظام ہو۔ اس مقصد کے لیے کمپیوٹر لیب کا قیام اور ماہرینِ فنون کی خدمات لی جا سکتی ہیں۔

5.2 مدارس کے نصاب کی تشکیلِ جدید

کوئی بھی نصابِ تعلیم تمام تر تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کا محور و مرکز اور علمی اہداف کی نشاندہی کرتا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال میں مؤثر و مفید نصابِ تعلیم کا بڑا عمل دخل ہے۔ موجودہ دور علمی لحاظ سے سخت مقابلے کا دور اور کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے متعدد ذرائع وجود میں آچکے ہیں جنہوں نے معلومات کا حصول نہایت آسان بنادیا ہے۔ نئے حالات وواقعات نے نئے سوالات کو جنم دے کر نئی نسل کو متجسس اور علم کا متلاشی بناڈالا ہے جنہیں پرانی تشریحات اور قدیم تعبیرات کے ذریعے قائل نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے بنیادی مصادرِ علم اگرچہ قدیم لیکن معاصر صورتحال میں ان کی جدید تشکیل اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگی نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے مدارس دینیہ کے نصاب کا از سرِ نو جائزہ لے کر موجودہ نصاب میں تخفیف اور ترمیم کر کے ایک ایسا نصاب تشکیل دیا جانا ضروری ہے جو دینی ضروریات کے ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ تمام مکاتبِ فکر کے علماء اکٹھے ہو کر ایک ایسا نصاب تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں جو ان تقاضوں کو پورا کرنے کے علاوہ مسلکی ہم آہنگی اور اتحاد کا سبب بن سکے۔

5.3 میڈیا سیل کا قیام اور ذرائع ابلاغ کا مؤثر استعمال

حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام سے یہ عہد لینا کہ وہ اپنی تمام تر مساعی دین کی تبلیغ میں صرف کریں گے تبلیغ اور اس کے لیے ذرائع کے استعمال کی اہمیت کا واضح اعلان ہے۔ انسانی معاشرے کی بقا اور استحکام کے لیے ترسیل وابلاغ اتنا ہی ضروری ہیں جتنا خوراک ورہائش۔ اپنے جذبات، سوچ اور رائے کے اظہار کا اگر مناسب موقع نہ ملے تو انسان ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا اور تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ مناسب اظہار اس کے قلبی اطمینان اور رائے کی افادیت ونافعیت کو جانچنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کو چوتھے اہم ستون کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ گویا معاشرتی ترقی ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مربوط ہے۔ موجودہ دور میں ان ذرائع کے دائرہ کار میں نہایت وسعت آئی ہے اور سابقہ ذرائع مثلاً ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات کے ساتھ ساتھ بہت سی جدید ایپلیکیشنز مثلاً فیس بک، ٹوئٹر، انسٹاگرام اور یوٹیوب وغیرہ بھی وجود میں آئی ہیں۔ ان کا مثبت استعمال نہایت دوررس اور مفید اثرات کا باعث ہے۔ کم وقت اور کم خرچ میں اپنی بات، رائے اور موقف پوری دنیا

کے سامنے رکھنا آسان ہوگیا ہے۔اس تناظر میں میڈیا سیل کا قیام اور ذرائع ابلاغ کا مناسب استعمال ہر دینی مرکز کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔عالمی منظر نامہ جو کرونا وائرس کی بنا پر یکسر تبدیل ہو چکا ہے، بھی ان ذرائع کی اہمیت کو ثابت کر رہا ہے کہ حسی طور پر اکٹھے ہوئے بغیر تمام تعلیمی، سیاسی اور معاشی سرگرمیاں ان ذرائع کی بدولت رواں دواں ہیں۔چنانچہ انہیں فروغ دینا، اسلامی تعلیمات کا خیال رکھتے ہوئے ان کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرنا اور ایسے افراد تیار کرنا جو نہ صرف اس میدان میں مہارت رکھیں بلکہ دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیں، اہم عصری تقاضے ہیں جن کی تکمیل قابلِ تحسین ہے۔

5.4 جدید معاشی مسائل سے واقفیت اور ان کا حل

تجارتی شعبہ کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس پر نہ صرف افراد بلکہ اقوام و معاشرہ کی ترقی کا انحصار ہے۔انسان کی جسمانی وروحانی نشوونما مالی آسودگی سے منسلک ہے۔مال تمام بنیادی ضروریات کے حصول کا مادی ذریعہ ہے جن کی بطریقِ احسن اور بقدرِ کفایت تکمیل اطمینانِ قلب کے ساتھ روحانی بالیدگی کا باعث بنتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو بسا اوقات فقر و فاقہ کفر تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"كاد الفقران يكون كفرا"[16]

"قریب ہے کہ فقر کفر تک لے جائے۔"

مرورِ زمانہ کے ساتھ جن نئے مسائل نے جنم لیا ہے ان میں معاشی مسائل سرِ فہرست ہیں۔بالخصوص دوسری جنگِ عظیم کے بعد صنعتی و تجارتی شعبے میں آنے والی نئی لہر نے معیشت پر گہرا اثر ڈالا ہے۔آج کی معیشت چند عشروں قبل کی معیشت سے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔نت نئی اصطلاحات اور کاروباری شکلیں دینی رہنمائی کے ذمہ دار حلقوں کے لیے اس بات کا شدت سے تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو تحقیق کا موضوع بنا کر شرعی حل واضح کیا جائے اور عوام الناس کی بالعموم اور تجار کی بالخصوص رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے۔

مساجد میں اہلِ علاقہ کے ضرورت مند افراد کا ریکارڈ موجود ہونا اور مخیر حضرات کا ان کی مدد کرنا معاشی ضروریات کی تکمیل کی ایک بہترین صورت ہے۔غزوات سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا مسجدِ نبوی میں جمع اور تقسیم کیا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے۔

بہر حال شرعی تقاضوں کی مانند عصری تقاضوں کی تکمیل کے بغیر باہمی الفت و مودت کا تصور ادھورا ہے۔اگر آج بھی دینی مراکز کے اس انقلابی تصور کو اس کی اصل روح کے ساتھ اختیار کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت، مقام اور قیادت کو دوبارہ حاصل نہ کر سکیں۔

خلاصۃ البحث

مساجد، مدارس، خانقاہ اور امام بارگاہ مسلم سماج کی مذہبی ضروریات کی تکمیل اور امت کے اتحاد و اتفاق کا مظہر ہیں۔اتحاد کے قیام اور بقا کے لیے ان مراکز کے کردار کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے جس کا مکمل لائحہ عمل اتحاد کی بنیادوں، جہات اور تقاضوں پر عمل کرنے کا نام ہے۔نیز اتحاد کو ٹھیس پہنچانے والے عوامل مثلاً فرقہ پرستی، نفرت، عدمِ برداشت وغیرہ کا سدباب اپنی جگہ اہم ہے تاکہ اتحاد باقی رکھا جا سکے۔معاشرے میں اختلافِ رائے کی حدود و قیود سے ناواقفیت کی بنا پر سمجھا یہی جاتا ہے کہ یہ اتحاد و اتفاق کی راہ میں رکاوٹ ہے تاہم ایسا ہرگز نہیں۔احترامِ رائے، برداشت اور حسنِ اخلاق کی بدولت اتفاق کا یہ مقصد حاصل کرنا نہایت آسان ہے۔دینی ادارے ان تعلیمات کے فروغ اور احیاء کا بڑا مرکز ہیں۔اگر ہم ان کے روایتی اور تاریخی کردار کا احیاء کر سکیں تو معاشرے کی اخلاقی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا جا

سکتا ہے۔ نیز ان کے ذریعے وحدت اور بھائی چارے کا پیغام مؤثر انداز میں اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیرتِ طیبہ کی رہنمائی میں ان مراکز کے کردار کو اجاگر کرنا امتِ مسلمہ کے اتحاد واتفاق اور ملکی و قومی سلامتی کا ذریعہ ہے۔

نتائج

اس مضمون سے مندرجہ ذیل نتائج واضح ہوتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور عملی اقدامات کی بدولت ریاست مدینہ میں ہمیں اتحاد و یگانگت کی فضا نظر آتی ہے۔ عصر حاضر میں بھی قرآن و سنت کی بنیاد پر ریاست میں اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ چند تعلیمات اور اقدامات مندرجہ ذیل ہیں:

1. قرآن و سنت کی روشنی میں اتحاد واتفاق قائم کرنے کے لیے موثر قانون سازی کی جائے جس کے تحت ہر مکتبِ فکر اپنے تئیں اس مقصد کے حصول میں حصہ ڈال سکے۔
2. نفرت پر مبنی لٹریچر، تقاریر اور دوسرے مکتبِ فکر کی تحقیر و تنقیص کے گریز کیا جائے۔ نیز کسی بھی مسلک سے وابستہ افراد دوسرے مسلک کے علماء کا احترام یقینی بنائیں۔
3. اتفاقی مسائل پر زور دیا جائے۔ تمام مکاتبِ فکر کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔
4. اختلافی مسائل کی حدود و قیود متعین کرنے کے لیے حکومت کی سربراہی میں مخصوص کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں ہر مکتبِ فکر کے علماء کو متناسب نمائندگی دی جائے۔

مصادر و مراجع

1 القرآن، 92:21

Al- Qur'an, 21:92

2 الجرجانی، علی بن محمد السید الشریف، کتاب التعریفات، دارالفضیلۃ، القاہرۃ، 2004ء، ص10

Al-Jurjãnyi, ʿAli Bin Muḥamad Al-sayad Al-Sẖrif, ḵitāb Ultaʿryfạt, Dạrulfzylah, Alqāhrah, 2004ʾ, P10

3 القرآن، 103:3

Al- Qur'an,3:103

4 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2010ء، ج:2، ص130

Muḥammd Sẖafiʿ, Mufti, Muʿārif -Ul- Qur'an, Idārạh Al-Muʿạrif, ḵrāchi, 2010, Vol: 2, P130

5 القرآن، 103:3

Al- Qur'an,3:103

6 القرآن، 63:8

Al- Qur'an,8:63

7 القرآن، 105:3

Al- Qur'an,3:105

8 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصفوف، دارالحضارۃ للنشر والتوزیع، ریاض، 2015ء، رقم الحدیث: 664

Abu Dạowd, Sulimãn Bin Asẖʿtẖ, Sunan Abyi Dạuwd, ḵitāb Alṣlat, Bāab taswyt-ul-alṣfoof, Dãr Alḥzạrh lilnsẖar wạltuwzyʿ, Riyạz, 2015ʾ, Raqm-ul- Hadis: 664

9 ایضاً، کتاب الجہاد، باب مایومر من انضمام العسکر و سعتہ، رقم الحدیث 2628

Ibd, ḵitāb Al-Jihãd, Bāb Mã Youmar Min Anzmãm Aleskro Saath, Dãr Alḥzạrh lilnsẖar wạltuwzyʿ, Riyạz, 2015ʾ, Raqm-ul- Hadis:2628

10 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، دارالحضارۃ للنشر والتوزیع، ریاض 2015ء، رقم الحدیث: 6011

Al-Bukẖạri, Muḥamãd Bin Ismāʿyl , Aljāmiʿa ạlṣḥyḥ, ḵtāạb Aạdb, Bāab Reḥmhtulnạs wạlbāhạym, Dār Alḥzạrh lilnsẖr Wạltwzyʿ, Riyaz 2015ʾ , Raqm-ul- Hadis:6011

11 احمد شلبی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، مترجم محمد حسین زبیری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1989ء ص102

Aḥmd Sẖlby, Tārikẖ Taʿlim wa Tarbyt Islāmyh, Mutarjim Mḥammad Hussan Zubari, Idārh Saqāft Islạmiyah, Lāhore, 1989ʾP102

12 القرآن، 41:22

Al- Qur'an,22:41

13 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب من احب ان لایسب نسبہ، رقم الحدیث: 3531

Al-Bukẖạri, Muḥamãd Bin Ismāʿyl , Aljāmiʿa ạlṣḥyḥ, ḵtāạb Almnāqib, Baāb Min Ahaba Ina la Yusabi Nasbah, Raqm-ul-Hadis 3531

14 القرآن، 60:8

Al- Qur'an,8:60

15 احمد بن حنبل، الامام، المسند، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2009ء، حدیث زید بن ثابت، رقم الحدیث: 22208

Aḥmad Bin Hanbal, Al-Imãm, Almusnad, Mouwssh Alrsạlh, Barut, 2009ʾ, Hadis Zaiyd Bin Sabit, Raqm-ul-Hadis 22208

16 الذہبی، محمد بن احمد، میزان الاعتدال، دارالمعرفۃ، بیروت، 1997ء ج:4، ص416

Al-Ziẖbi, Muḥamãd Bin Aḥmad, Myizãn Alạiʿtidāl, Dạrulmʿrfh, Bairut, 1997ʾ, Vo. 4, P416